ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No2 2024

بلوچستان کے اردو افسانے میں "لب۔ولور" کی روایت کا انعکاس: تنقیدی مطالعہ

A Critical Study of the Reflection of "Walwar/Lab" in Urdu Short Stories of Balochsitan

محقیقہ گل غنئی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ بلوچستان کوئٹہ
ڈاکٹر برکت شاہ کاکڑ، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ پشتو، جامعہ بلوچستان کوئٹہ
عبدالصمد کاکڑ، لیکچرر شعبہ پشتو، جامعہ بلوچستان کوئٹہ

Abstract

Balochistan has been the cradle of diverse cultures, sub-cultural zones, value systems and tribal and oral traditions. As per the 2017 census report Baloch and Pashtoun are the major ethnic groups and Balochi, Pashto and Brahui are spoken by 36.70%, 36.40 and 17% respectively. According to the said census report above 72% population live in rural areas and still live in traditional tribal structures. Contemporary and 20th century anthropologists segregate the Pashtun and Baloch tribal systems in the Afro-Arabic and Turko-Mongol social systems. Although diversity of the natural habitats, livelihood and mean of production, there are interesting commonalities and divergence in terms of cultural histories, value system, customs, mythology, rituals and intangible cultural heritage.

Although both Baloch and Pashtun ethnic tribal structures are led by the patriarchal norms and the family-clan structures have been evolved around patrilineal patterns, the customs of marriage and particularly the bride price also calls "Lab" and "Walver" in Balochi and Pashto respectively have common social acceptance. The Pashtun and Baloch folklorists and cultural experts argue on the significance of the "bride price" as means of social security and men's premarital performance as bread winner. On the contrary this ancient custom has shown the dark side of women's commoditization.

How the Urdu fiction writers have dealt "Walver" and "Lab" in their published works is one of the leading questions investigated in this research paper. The paper tends to analyze the textual discourse beyond symptomatic levels.

Key Words: Marriage Customs, Walver, Lab, Urdu Fiction, Baloch-Pashtun Social Organization

تعارف:

خاندان انسانی معاشرے کی سب سے بنیادی اکائی رہی ہے، مرد اور عورت ملکر ایک خاندان کو تشکیل دیتے ہیں۔ مرد اور عورت کے درمیان اس تاریخی تعلق سے خاندانی نظام کی ارتقا کیسے ہوا ہے، اس پر معاصر محقیقین اور تحقیقی اداروں نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ انسانی معاشرے کی تہذیبی تاریخ کا بڑا حصہ اگرچہ ضبط تحریر میں نہیں لایا جاسکا ہے، قبل از تاریخ دور میں انسانی معاشرہ کس طرح وجود پذیر ہوا اور خصوصا اس کی صنفی ساختیات کس نوعیت کے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No2 2024

تھے اس پر بیسویں صدی سے لیکر اب تک ماہرین اثار قدیمہ نے دلچسپ انکشافات کئے ہیں۔ لیکن معلوم انسانی تاریخ میں شکار کے زمانے سے لیکر دس ہزار سال پہلے برپا ہونے والے زرعی انقلاب اور اس کے بعد صنعتی انقلاب کے ادوار میں صنفی تعلقات اور سماجی رشتوں کی تاریخ اب کافی حد تک عیاں ہو چکی ہے، جس سے البتہ اس حقیقیت کی تصدیق ہوتی ہے کہ زرعی معاشرے میں عورت کی تخلیقی اور فاعلی حیثیت کو دھیرے دھیرے کم کیا گیا اور جب سے ذاتی ملکیت، ریاست کی ابتدائی ساخت اور مذہب اور سیاست کے پیچ در پیچ تہوں میں ہمیں عورت کے استحصال کے ساختیاتی نقوش ملتے ہیں۔

روائتی اور قبائلی سماج میں آج بھی ہمیں قبل از صنعتی انقلاب کے اجتماعی سماجی رویئے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جب ہم بلوچستان کے روایتی اور قبائلی سماج کا تجزیہ کرتے ہیں، خصوصاً صنفی تعلقات کا تنقیدی تجزیہ کرتے ہیں اور صنفی مطالعات کی روشنی میں عورت کی "حالت" اور "حیثیت" کے فریم ورک میں معروضی حقائق کو پرکھتے ہیں، تو ہم پر یہی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عورت کے مکمل انسانی وجود کا بیانیہ ابھی تک بطور مسئلہ نہیں اُٹھایا گیا ہے۔

اس تحقیقی مقالے میں ہم نے بلوچستان کے پشتو و بلوچ سماج میں شادی کے ثقافتی عمل کو کریدنے کی کوشش کی ہے اور خصوصا اس ضمن میں شادی کیلئے دُولہن کے حق مہر جسے پشتو میں "ولور" اور بلوچی میں "لب" کہا جاتا ہے پر بحث کو مرکوز کیا گیا ہے اور بلوچستان میں لکھے جانے والے افسانے میں اس مظہر کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

لب اور ولور: مختصر تاریخی پس منظر

اس رسم کے آغاز کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا آغاز کب ہوا۔ لیکن اس کی قدامت مسلم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رسم ہزاروں سال پرانی ہے۔ پشتونوں کے دائرہ اسلام میں آنے سے قبل بھی یہ رسم موجود تھی۔ جس کی تائید سلطان محمد صابر اپنی کتاب "قدیم پشتو اور پشتون" میں کچھ یوں کرتے ہیں۔

> "پشتونوں میں اسلام کے آنے سے پہلے بھی ۔۔۔۔ بیٹی اور بہن پر ولور لیتے تھے۔"[۱]

پہلے زمانے میں جب کرنسی رائج نہیں تھی۔ اس وقت بھی یہ رسم ایک مختلف صورت میں موجود تھی۔ اس وقت لڑکی کا جہیز لڑکے والے کے ذمہ داری تھا۔ یوں لڑکے والے لڑکی کی ضروریات زندگی کی اشیا فراہم کرنے کے پابند تھے۔

چونکہ لب وولور لڑکی کا حق مہر ہے اس لیے اس پر حق بھی لڑکی کا ہونا چاہئے۔ لیکن مادہ پرستی اور ہوس زر کے باعث بلوچ اور پشتون قبائل میں رائج اس رسم کا مقصد ماضی قریب میں بدلنے لگا۔ لب اور ولور کا لڑکی کا حق مہر سمجھنے اور اس پر لڑکی کا حق ملکیت تسلیم کرنے کے بجائے بعض مفاد پرست والدین اس پر اپنا حق ملکیت جتانے لگے کیونکہ ایسے لوگوں کے خیال میں بچپن سے لے کر جوانی تک اپنی بچی کی پرورش کے اخراجات انہوں نے برداشت کئے اس کے کھانے پینے لباس اور دیگر ضروریات پر انہوں نے جو کچھ خرچ کیا وہ لڑکے والوں سے وصول کرنا ان کا حق ہے مالی منفعت اور پیسے کی حرص نے اس رسم کو ایک قبیح کاروبار بنا دیا۔

شادی کے لیے رشتہ طے کرنے سے پہلے لڑکے کے خاندان کی بزرگ خواتین لڑکی کا انتخاب کرتی ہیں۔ ابتدائی گفتگو کامیاب ٹھہرنے کے بعد لڑکے کا باپ، گھرانے کے بزرگ اور قبیلے کا کوئی معزز آدمی لڑکی کے باپ کے پاس جا کر لب وولور اور شادی کے اخراجات طے کرتے ہیں۔ اسماعیل صدیقی اس کی تائید کچھ یوں کرتے ہیں۔

> "گھر کا کوئی بزرگ یا قبیلے کا سید لڑکی کے باپ کے پاس جا کر لڑکی کی ولور، زر، لب یا زبان ناپسندیدہ میں لڑکی کی قیمت کا فیصلہ کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اس امر کا تعین کرواتا ہے کہ کتنے جانور اور سامان خورد و نوش جشن عروسی کے موقع پر پیش کیئے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No2 2024

جائیں گے۔"۲؎

لب وولور کی رقم کا انحصار لڑکے کی سماجی حیثیت، لڑکی کی عمر، شکل وصورت اور خاندان پر ہوتا ہے کم عمر، حسین اور اعلیٰ خاندان کی لڑکی کا لب وولور زیادہ رکھا جاتا ہے اس رسم کے تحت لب وولور کی رقم کا تعین کرنے کے لیے باقاعدہ بھاؤ تاؤ اور چنابازی ہوتی ہے ایڈورڈ۔ای۔ آلیور اپنی کتاب "پٹھان اور بلوچ" میں اس صورتحال کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اکثر قبائل میں مستورات جانوروں کی طرح خریدی اور بیچی جاتی ہیں اور فیصلہ
خریدار کی استطاعت اور شے فروختہ کے حسن وشباب پر منحصر ہوتا ہے۔"۳؎

لب وولور بلوچستان میں رہنے والے بلوچ اور پشتون قبائل کی ثقافتی روایات میں شامل ایک ایسی رسم ہے جو صدیوں سے رائج ہے۔ اس رسم کے مطابق رشتہ طے کرتے وقت لڑکے کی والدین لڑکے والوں سے شادی کے لیے ایک خطیر رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جسے بلوچی میں "لب" اور پشتو میں "ولور" کہتے ہیں۔ لب وولور لینے کے پس منظر میں دو مقاصد پیش نظر ہوتے ہیں۔ پہلا مقصد یہ جانچنا کہ آیا لڑکا اپنے زور بازو سے کمانے کی اہلیت

گل غٹئی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ بلوچستان کوئٹہ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No2 2024

رکھتا ہے اور کیا وہ ایک کنبے کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہے جبکہ دوسرا مقصد شادی پر ہونے والے اخراجات اور لڑکی کو دیئے جانے والے سامان (جہیز) میں لڑکے کی طرف سے مالی معاونت فراہم کرنا۔ لب ولور کو حق مہر کی صورت قرار دیا جاتا ہے۔ جس سے ملنے والی رقم لڑکی کا حق تسلیم کرتے ہوئے اس کی ضروریات پر خرچ کی جاتی ہے۔ اس رقم سے عموماً لڑکی کے لیے ملبوسات، زیورات اور دیگر ضروریات زندگی خریدے جاتے ہیں۔ لب ولور کی رقم اصولی طور پر جہیز کا سامان تیار کرنے کے لیے لی جاتی ہے۔ چونکہ یہ چیزیں لڑکی کے ساتھ رخصت ہو کر لڑکے کے گھر جاتی ہیں لہذا شادی پر ہونے والے اخراجات میں لڑکے والوں کی شرکت اور معاونت ضروری ہے۔ لڑکے والوں کو بھی اس پر اعتراض اس لیے نہیں ہوتا کیونکہ ولور کی رقم اشیا کی صورت واپس انہیں مل جاتی ہیں۔ البتہ وہ پشتون اور بلوچ قبیلے جو ابھی تک خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے ہیں یا دور دراز پہاڑی علاقوں میں سکونت پذیر ہیں وہاں لب اور ولور کی صورت میں لی او دی جانے والی رقوم دیہی اور شہری علاقوں میں رہنے والے قبائل یا کمیونٹیز سے مختلف ہیں۔ کوہ سلیمان کے دامن میں مقیم بلوچ اور پشتون قبائل میں لب ولور کی رقم، ادائگی اور مصرف کا اگر کوئٹہ، مستونگ اور پشین کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو اس میں انتہائی دلچسپ اور بنیادی فرق دیکھنے کو ملتا ہے۔ بلوچستان کے مختلف سب کلچرل گروپس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ صوبائی دارالخلافہ اور ڈویژنل و ضلعی ہیڈ کوارٹرز سے متصل علاقوں میں لب ولور کی قیمت نہ صرف کم ہوتی ہے بلکہ اس کے مصرف میں لڑکی یا خاندان کے عورتوں کی رائے کا عمل دخل بھی یقینی ہوتا ہے۔

بلوچستان کے اردو افسانے میں "لب" اور "ولور" کا انعکاس

بلوچستان میں اُردو افسانے کی تاریخ بیسویں صدی کے تیسرے عشرے سے شروع ہوتی ہے، یہاں بھی افسانے کے ابتدائی بیانئے پر سماجی اصلاح کی چھاپ ثابت ہے۔ اگر ہم معاصر اردو افسانے کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ہمیں بلوچستانی سماج کے مختلف پہلوؤں کی کہانیاں اور پلاٹس ملتے ہیں۔ البتہ یہ حقیقت مسلم ہے کہ یہاں کے کہانی کاروں نے عورت کی سماجی اور معاشی کمتری کو بطور مسئلہ اُٹھایا ہے اور عورت کے بیچے جانے یا روپوں کے عوض بیاہئے جانے کے عمل کو کھول کر بیا کیا ہے۔ اس صورتحال کو زیب لونی افسانہ "پیدائشی غلام" میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں

"لڑکی کے باپ کا موقف تھا کہ رقم ڈیڑھ لاکھ کے بجائے دو لاکھ ہونی چاہیے کیونکہ
لڑکی کم عمر ہے اور خاصے خوبصورت رنگ و نقوش کی مالک ہے اس کا کہنا تھا کہ وہ
کئی رشتے اپنی بیٹی کے محض اس وجہ سے ٹھکرا چلا ہے کہ لوگ دو لاکھ سے بیس ہزار
کم دے رہے تھے۔ جب کہ وہ اپنی بیٹی دو لاکھ سے کم میں بالکل نہیں دے گا۔"

۔[۴]

لب ولور کی رقم طے کرنے کے اختیارات لڑکی والوں کے پاس ہوتے ہیں۔ لڑکے والے اسے کم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ لب ولور زیادہ ہونے کے باوجود لڑکے والے رشتہ چھوڑنے اور پیچھے ہٹنے کی جرات نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کی غیرت کے منافی ہے۔ رشتہ دینے یا نہ دینے کا اختیار لڑکی والوں کے پاس ہوتا ہے۔ اس صورتحال کو نسیم جاوید افسانہ "مرد کی زبان" میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

"آپ کتنے میں اس کا سودا کریں گے"
"تم کتنا دے سکتے ہوں۔"-----
"آپ بتائیے کاکا! کتنے پیسے چاہیے آپ کو"
"آٹھ لاکھ"
"کیوں؟ تم ایمان سے کہو کیا میری لڑکی کی قیمت آٹھ لاکھ نہیں بنتی؟------

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No2 2024

"آپ کی بات درست ہے۔۔۔۔ مگر میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے لہذا میں آپ
کی لڑکی خریدنے کا ارداہ ترک کرتا ہوں۔"
"کیا تم مرد نہیں ہو؟"۔۔۔۔۔۔
"تم میں ذرا بھی مردانگی نہیں۔ ایک مرد اپنی زبان پر جان دے دیتا ہے۔ مگر اپنے
الفاظ سے کبھی نہیں مکرتا۔" ۵۔

بات ٹھہرنے کے بعد منگنی کر دی جاتی ہے منگنی کے وقت لب وولور کی کچھ رقم ادا کر دی جاتی ہے جبکہ باقی رقم استطاعت کے مطابق وقتاً فوقتاً دی جاتی ہے۔ ولور کی ادائیگی تک شادی التوا کا شکار رہتی ہے اور لب وولور کی ادائیگی کے ساتھ ہی شادی کی تاریخ مقرر کر دی جاتی ہے۔

"چچا نے لب کی باقی رقم بھی ادا کر دی اور شادی کا خرچہ بھی ٹکری کو دے دیا۔ اُس
نے شادی کی تاریخ لے لی۔"۶۔

صدیوں پرانی اس رسم میں کہیں بھی تبدیلی یا ٹھہراؤ نظر نہیں آتا ماسوائے اس کے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لب وولور کی رقم میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یوں لب وولور کی رقم ہزاروں سے نکل کر لاکھوں تک جا پہنچی ہے۔ موجودہ دور میں عام غریب گھرانوں کی لڑکیوں کا ولور چھ سات لاکھ روپے ہے۔ متوسط گھرانوں میں یہ دس سے پندرہ لاکھ ہے۔ جبکہ امیر گھرانوں میں یہ رقم اس سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔ لب وولور کا انحصار لڑکی کی عمر، شکل و صورت اور خاندان کے علاوہ لڑکے کی سماجی حیثیت پر بھی منحصر ہے۔ لڑکے کی سماجی حیثیت کے ساتھ ساتھ اس کی ازدواجی حیثیت بھی ولور پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر آدمی پہلے سے شادی شدہ ہو اور یہ اس کی دوسری، تیسری اور چوتھی شادی ہو تو اس صورت میں بھی لڑکی کا لب وولور زیادہ مقرر کیا جاتا ہے۔ یعقوب شاہ غریشن اس صورتحال کو افسانہ "صدیوں کی قید" میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

"یہ اس بدبخت کی چوتھی شادی ہے۔ دو بیویاں مر چکی ہیں۔ ایک زندہ ہے اس کے
چودہ بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں۔ بڑا رنگین مزاج ہے۔ اس دفعہ وہ رحمت کاکا کی بیٹی
صابرہ سے شادی رچا رہا ہے۔ جس کی عمر سولہ سترہ سال کے لگ بھگ ہے۔ جب
اس نے صابرہ کا رشتہ مانگا تو رحمت کاکا نے تین لاکھ روپے ولور کی شرط رکھی۔ خان
بابا نے بلا حیل وحجت قبول کر لیا۔"۷۔

بلوچستان کے مختلف علاقوں میں لب وولور کی رقم علاقائی حیثیت سے جدا جدا ہے۔ چمن اور اس سے ملحقہ علاقوں میں یہ رقم دیگر علاقوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ بلوچوں اور پشتونوں کے مختلف قبائل کے تمام لوگ لب وولور نہیں لیتے۔ تعلیم و شعور حاصل کرنے کے باعث بہت سے لوگوں نے اس رسم کو ترک کر دیا ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ بلوچستان کے دیہاتوں، چھوٹے بڑے شہروں حتیٰ کہ کوئٹہ جیسے بڑے شہر میں بھی لب وولور لینے کی روایت موجود ہے۔ اس روایت کو لوگ نہایت خوش دلی سے زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی نظر میں ولور ایک ثقافتی روایت کے طور پر ان کے لیے اہم ہے۔ ولور کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس رسم سے انکار کرے اور اپنی بہن یا بیٹی کا ولور مقرر نہ کرے یا نہ لے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ مطلوبہ لڑکی اپنے باپ اور بھائی پر بوجھ تھی۔ جس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے اسے ایسے ہی اتار پھینکا۔ اس صورتحال کے بارے میں چمن کے رہائشی محمد اسلم اچکزئی کہتے ہیں۔

"وہ لڑکی جس کا ولور نہ لیا جائے وہ بہت بے وقعت اور اپنے باپ پر تاوان (بوجھ)
ہوتی ہے۔ جس سے جان چھڑانے کے لیے اس کا باپ یہ بار (بوجھ) مفت میں کسی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No2 2024

دوسرے کے سر ڈال دیتا ہے۔اب ایسی لڑکی کی کیا عزت اور مقام ہو گا۔"۸؎

لب وولور کی رقم ہر دور کے اعتبار سے متعین کی جاتی ہے۔زمانی اعتبار سے ایک وقت میں کم و بیش زیادہ تر لڑکیوں کا ولور یکساں ہوتا ہے۔اگر کبھی کسی لڑکی کا ولور زمانی طور پر مقرر رقم سے زیادہ ہو تو یہ اس لڑکی اور اس کے خاندان کے لیے باعث افتخار ہوتا ہے۔اس لیے لب وولور مقرر کرتے وقت زیادہ رقم طے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ولور کا زیادہ ہونا اس معاشرے میں قابل فخر عمل ہے۔جس سے ایک طرف زیادہ رقم وصول ہوتی ہے اور دوسری طرف اس سے سماجی سربلندی بھی نصیب ہوتی ہے۔کیونکہ لب وولور سماجی مقام بھی متعین کرتا ہے۔اس صورتحال کو طاہر محمد خان افسانہ "دردنا تمام" میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

"بشام ۔۔۔۔ اس رشتہ پر راضی تھا اور عام لڑکیوں کے معیار سے سازین کے لیے بڑا لب دینے پر آمادہ ہوا تھا۔کیونکہ اس وقت تک بڑی بڑی خوبصورت لڑکیوں کے لیے بیس ہزار لب کی رقم نہیں ملتی تھی۔۔۔لڑکی کی لب کی قیمت سے اس کے سماجی مقام کا تعین ہوتا ہے۔سازین اپنے لب پر فخر کرتی رہی۔"۹؎

لب وولور کے بارے میں ایک تاثر یہ بھی ہے کہ اگر ولور کی رقم اپنے زمانے کے حساب سے کم مقرر کی جائے تو اس صورت میں بھی لڑکی کی عزت کم ہو جاتی ہے اور سسرال میں اسے وہ عزت، وقعت اور مقام نہیں ملتا جو زیادہ ولور لینے کی صورت میں ہو سکتا تھا۔محمد اسلم اچکزئی کی بیوی حاجرہ اس کے بارے میں کہتی ہیں۔

"میں چاہتی ہوں کہ میری بیٹیوں کا ولور زمانی اعتبار سے مقرر ولور سے دو تین لاکھ زیادہ ہو۔اگر ولور زیادہ ہو گا۔تو میں اچھا "کردار" (جہیز) دے سکوں گی۔جس سے میری بیٹی کو سسرال میں عزت و مقام ملے گا۔"۱۰؎

ماضی قریب میں ہوس زر میں مبتلا لوگوں نے اس رسم کو مالی منفعت کا ذریعہ سمجھ لیا۔جس کے بعد یہ رسم ایک قبیح کاروبار کی صورت اختیار کرنے لگی ۔لب وولور کی رقم میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ کاروبار خوب پھیلنے پھولنے لگا۔اس کاروبار کے پھلنے پھولنے کے بعد ایسے گھرانوں میں بچی کی پیدائش پر ناگواری کا اظہار کم ہو گیا۔کیونکہ یہ بچی مستقبل میں اس گھرانے کے لیے لکشمی دیوی ثابت ہوتی، جس کے ولور سے یہ گھرانہ مالی فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔روپوں کے لالچ میں والدین اندھے ہوتے چلے گئے۔رشتہ طے کرتے وقت لڑکے میں موجود خامیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف ولور کی رقم پیش نظر رکھی جانے لگی۔طاہر محمد خان افسانہ "دردنا تمام" میں اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"صرف تمھارا باپ نہیں۔سارے باپ آدمی کو نہیں لب کی رقم کو دیکھتے ہیں۔"

؎۱۱

لب وولور کی بھاری رقم کو پیش نظر رکھتے ہوئے لڑکی کے والدین شادی کے وقت عمر کے تفاوت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔لب وولور کی بھاری رقم کے عوض کم سن بچی کسی بوڑھے سے بیاہنے میں بھی کوئی تامل نہیں کرتے۔یوں روپوں کے بل بوتے پر متمول گھرانے کا کوئی بھی بوڑھا آدمی کم عمر لڑکی کا زیادہ لب وولور دے کر اس سے شادی کر سکتا ہے۔آغا گل افسانہ "نیا دیس" میں اس صورتحال کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

"حاجی کرم الٰہی خان بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔۔۔حاجی نے زندگی بھی بڑی محنت کی تھی۔خوب پیسہ کمایا تھا۔ستر سال کی عمر کو پہنچا تو اس نے بھاری ولور ادا کر کے تیرہ سالہ لڑکی سے شادی کر لی۔"۱۲؎

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No2 2024

ایسی شادی میں لڑکی کی مرضی و منشا کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بھاری لب وولور کو پیش نظر رکھتے ہوئے لڑکی کے جذبات و احساسات سے نظریں چرا لی جاتی ہیں اور لڑکی کو اس کی خواہش اور مرضی کے بغیر بیاہ دیا جاتا ہے۔ زیب لونی افسانہ "ذات کا سودا" میں اس صورتحال کو کچھ یوں بیان کرتی ہیں۔

"جب اس کے شوہر نے پہلی بار اس کا سفید اور خوبصورت ہاتھ اپنے جھریوں بھرے ہاتھ میں لیا تو زینب کو یوں محسوس ہوا جیسے اسے کسی بچھو نے ڈس لیا ہو اور اس نے بے اختیار اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ "کیوں، کیا پسند نہیں ہوں تم کو، پورے پچاس ہزار دیئے ہیں تمھارے لیے اگر ذرا بھی اکڑ دکھائی تو ایک ہاتھ ہی بہت ہو گا تمھارے لیے۔"[۴۱]

ایسی جبری شادی کے باعث لڑکی کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے وہ شدید ذہنی دباؤ اور گھٹن کا شکار ہو جاتی ہے یہ صورتحال اسے اپنوں سے متنفر اور زندگی سے بیزار کر دیتی ہے۔ ذہنی دباؤ اور منفی سوچ اسے نفسیاتی مریض بنا دیتی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ

"کیا میں سفید بالوں والی اولاد کے باپ سے شادی کرنا چاہتی تھی؟ کیا میں خود سے دگنی عمر کے آدمی سے شادی کی خواہاں تھی؟۔۔۔ کیا میری زندگی کا فیصلہ کرتے وقت مجھ سے کسی نے پوچھا تھا۔"[۵۱]

بھاری لب وولور کے بدلے لڑکی کی شادی کسی بھی قسم کے ذہنی یا جسمانی طور پر معذور آدمی سے کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں کیا جاتا۔ بعض اوقات لب وولور کے بدلے لڑکی کی شادی ذہنی و جسمانی معذوری کا شکار ایسے شخص سے کر دی جاتی ہے جس کی شادی ہو جانا بذات خود بہت حیران کن ہوتا ہے۔ فرزانہ خورزئی افسانہ "خرید" میں اس صورتحال کو نہایت عمدگی سے کچھ یوں بیان کرتی ہیں۔

"ولور۔۔۔ کی ادائیگی اسماعیل کے لیے کچھ ایسی مشکل نہ تھی۔۔۔ اس کی شادی یقیناً بڑے اچھنبے کی بات تھی۔ اس کا قد بمشکل ڈیڑھ فٹ کا ہو گا۔ دونوں گھٹنے مڑ کر باقاعدہ پیٹ سے پیوست تھے۔ ہاتھوں اور پاؤں کی وضع قطع چھوٹے بچوں کی مثل تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر سختی سے جما کر چھوٹا سا قدم آگے رکھ کر یوں چلتا جیسے کوئی ننھی چیونٹی رینگ رہی ہو۔ اس کی شادی وہ بھی چودہ سال کی لڑکی سے سن کر کام کرتے تمام ہاتھ رک گئے۔" [۶۱]

مردانہ اجارہ داری کے حامل اس سماج میں مرد عورت کا حاکم، مالک اور مختار ہوتا ہے اس احساس ملکیت کی بدولت وہ عورت کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور عورت بھی وہ عورت جس کی قیمت ادا کر کے اسے خریدا گیا ہو، کسی رعایت کی مستحق نہیں ہوتی۔ اس کی حیثیت ایک زر خرید لونڈی کی طرح ہوتی ہے جو ہر ناروا سلوک کو خاموشی اور صبر سے برداشت کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ لب وولور لینے کے بعد لڑکی کے والدین اس پر ہر طرح کا اختیار کھو بیٹھتے ہیں۔ وہ لڑکی اس شخص کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ جس سے وہ لب وولور کے عوض بیاہی گئی ہے اب وہ شخص اس کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے لڑکی کے والدین اس شخص کے ناروا سلوک اور ظلم و جبر پر اسے روک نہیں سکتے۔ اور نہ ہی اس سے کسی قسم کی باز پرس کر سکتے ہیں۔ اس ناروا سلوک کو فرزانہ خدرزئی نے افسانہ "خرید" میں کچھ یوں بیان کیا ہے۔

"اسماعیل۔۔۔ اپنے ننھے وجود کو کسمسا کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کوشش میں اس کا پاؤں بے اختیار کیتلی سے ٹکرایا۔ کیتلی الٹی، گرم چائے اس کے پاؤں اور

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No2 2024

مڑے گھٹنوں پر جا گری۔ وہ دھاڑا اور غصے میں آ کر اسی گرم کیتلی سے اس کی خوب
تواضع کی۔ اس پر بھی بس نہ کیا اسے حکم دیا کہ وہ اپنی پھٹی چپل اس کے ہاتھ میں
دے مقتول نے اپنے ہاتھ سے آلہ ہتھیار فراہم کیا۔ اب کے وہ اسی کے سر پر
جوتے برسانے لگا۔"۷ے

لب وولور سے خریدی ہوئی عورت کی حیثیت زر خرید باندی کی مانند ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ روا رکھا جانے والا سلوک ہمیں دور غلاماں کی یاد دلاتا ہے۔ اسرار احمد شاکر افسانہ "بستی کا کرب" میں لکھتے ہیں۔

"یہاں عورت نامی مخلوق کی حیثیت گھر میں کام کرنے والی لاوارث باندی سے
زیادہ نہیں ہوتی۔"۸۱ے

ایسی عورت کے ساتھ ناروا سلوک کرنے والا صرف اس کا شوہر نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے گھر والے بھی اس میں شامل ہوتے ہیں لڑکی کو بات بات پر اس کی قیمت کا طعنہ دے کر حق ملکیت جتایا جاتا ہے۔ چونکہ شادی کے لیے لڑکی والے ولور "کردار" (جہیز) اور "خوشئ" (شادی پر مہمانوں کو کھلایا جانے والا کھانا) کی مد میں لڑکے والوں سے خطیر رقم لیتے ہیں۔ لہذا اگر "کردار" اور "خوشئ" اچھا ہو تو معاملہ درست رہتا ہے ورنہ بصورت دیگر خراب اور کم قیمت جہیز اور شادی کے موقع پر کھانے کا بہتر انتظام نہ کرنے پر لڑکی کو ساری زندگی طعنے سننے پڑتے ہیں۔ لب وولور سے خریدی گئی لڑکی اپنے شوہر اور سسرال والوں کا ظلم و جبر خاموشی سے سہنے پر اس لیے بھی مجبور ہوتی ہے کیونکہ اس کی واپسی کی تمام راہیں مسدود ہوتی ہیں۔ والدین کے لیے ایسی بیٹی کی واپسی ناقابل قبول ہوتی ہے کیونکہ سودے بازی کا یہ اصول ہے کہ خریدی ہوئی شے کی واپسی پر مطلوبہ رقم بھی واپس کرنی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی شادیاں ہر صورت نبھانی پڑتی ہیں۔ اس میں خلع کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس صورتحال کو طاہر محمد خان نے افسانہ "درد ناتمام" میں کچھ یوں بیان کیا ہے۔

"جرگہ ممبران کو طلاق طلب کرنے کی پیچیدگیوں کا احساس تھا کیونکہ وہ جانتے
تھے کہ سازین کے باپ نے لب کی رقم خرچ کر لی ہے۔ اور طلاق کی صورت میں
وہ اس کا انتظام نہیں کر سکے گا۔۔۔ اگر بیوی طلاق طلب کرتی ہے تو رواج کے
مطابق اس کو لب کی رقم کے علاوہ جو بھی مال شوہر سے لیا ہے واپس کرنا پڑے
گا۔ اگر رقم واپس نہیں کر سکتی تو رواجاً اس کو پھر شوہر کے ساتھ آباد ہونا پڑے
گا۔۔۔ اور جرگہ رواج سے انحراف نہیں کر سکتا۔"۹ے

ولور کی ادائیگی کے بعد بیاہی عورت شوہر کی ملکیت تصور کی جاتی ہے اسی لیے اگر ایسی عورت بیوہ ہو جائے تو متوفی کی جائیداد کی طرح اس عورت پر بھی اس کے وارثوں کا حق ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد اس کی شادی اس کے دیور سے کر دی جاتی ہے۔

لب وولور جہاں لڑکیوں کے لیے مسائل کا سبب ہے وہی یہ لڑکوں کے لیے بھی مشکلات کا باعث ہے۔ غریب اور متوسط طبقے کے لیے لب وولور کی ادائیگی آسان نہیں ہوتی۔ شب و روز کی ان تھک محنت کے باوجود لب وولور کی ادائیگی میں ایک طویل عرصہ لگ جاتا ہے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی اور کم آمدنی کے باعث لب وولور جمع کرنا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ کم آمدنی اور کمزور معاشی حالات کے باعث پائی پائی بچا کر لب وولور کی مطلوبہ رقم ادا کرنے میں سالہا سال لگ جاتے ہیں۔ اس صورتحال کو ظاہر محمد خان افسانہ "اور دیوار گر گئی" میں یوں بیان کرتے ہیں۔

"چچا بخشو نے اپنے بڑے لڑکے قادر کا رشتہ گاؤں کے کسی ٹکری کی لڑکی سے کیا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No2 2024

تھا۔اس نے باپ دادا کے نام اور اس کی چھوڑی ہوئی میراث کے بل بوتے پر بڑا
لب بھی مان لیا تھا لیکن مسلسل خشک سالی کی وجہ سے وہ اب تک لب بھی ادا نہیں
کر سکا تھا۔۔۔اس کو اس بات کا احساس تھا کہ لڑکی کی عمر بھی تیزی سے بڑھ رہی
تھی۔"۱۰ ۔

لب وولور جمع کرنے کی تگ ودو میں غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں کی زندگی کے کئی ماہ و سال گزر جاتے ہیں۔ جب تک ولور کی ادائیگی نہیں ہوتی اس وقت تک شادی کی تاریخ مقرر نہیں کی جاتی۔لہذا ایک طویل مدت لب وولور جمع کرنے میں گزر جاتی ہے اور شادی سالہا سال التوا کا شکار رہتی ہے۔

"سترہ سے ستائس اور پھر سینتیس برس تک پہنچنے میں کچھ دیر نہ لگی۔روپیہ ایک
جیب میں نہ تھا۔سارا سارا دن کی گئی۔۔۔محنت کا بس اتنا ہی معاوضہ ملتا کہ پیٹ
بھرا جا سکے۔خالی جیب کوئی اپنی بیٹی یا بہن کیوں بیاہتا۔" ۱۲ ۔

لب وولور میں پوشیدہ قباحتوں کے باعث بلوچ وپشتون معاشرے کے بہت سے لوگ اسے غلط سمجھتے ہیں۔لیکن روایات کی پاسداری نے انہیں اس رواج کو جاری رکھنے پر مجبور کر رکھا ہے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کسی نہ کسی صورت اسے زندہ رکھے ہوئے ہیں۔دوسری طرف مفاد پرستوں کے لیے یہ ایک زریعہ آمدن ہے ایسی لوگ ہر گز اس کا خاتمہ نہیں چاہتے کیونکہ ان کے لیے بیٹیاں بلینک چیک کی مانند ہیں جسے وہ جب چاہیں اپنی مرضی سے کیش کروا سکتے ہیں۔

نتیجہ:

اگر ہم اردو افسانے کو بغور مطالعہ کریں تو اس میں سماج کے ایسے متنوع ساختیات کو کھول کر بیان کیا گیا ہے جس کے بطن میں سماج کے کمزور اکائیوں کے خلاف ناانصافی اور جبر پر مبنی رویئوں کو ثقافتی قبولیت حاصل ہے۔لب اور ولور کے خلاف پشتو اور بلوچی فوکلوری ادب میں عورتوں کی مزاحمتی شاعری اپنی جگہ پر ایک انتہائی گرانمایہ سرمایہ ہے، لیکن یہاں کے کہانی کاروں نے لب اور ولور کو عورت کی سماجی کمتری کے ایک بنیادی مسئلے کے طور پر پیش کیا ہے جو کہ ادب اور سماج کے درمیان قریبی اور باہمی رشتے کے زندہ ہونے کی دلیل ہے۔

حوالہ جات

1. سلطان محمد صابر، قدیم پشتو اور پشتون، ۱۹۷۷، لاہور شرکت پریس، ص ۹۹
2. بریگیڈئر اسماعیل صدیقی، آئنہ بلوچستان، ۱۹۹۲، لاہور، جنگ پبلیشرز، ص ۴۳، ۵۳
3. ایڈورڈ۔ای۔آلیور، مترجم پروفیسر انور رومان، پٹھان اور بلوچ، ۱۹۸۴، کوئٹہ، نساء ٹریڈرز، ص ۳۸۲
4. زیب لونی، جلتے خواب، ۲۰۱۶، کوئٹہ العارف پرنٹنگ پریس، ص ۱۰
5. نسیم جاوید، واپسی کا سفر، ۲۰۱۵، کوئٹہ، بزم خسرو پاکستان، ص ۳۸، ۴۸
6. طاہر محمد خان، زود پشیمان، ۲۰۰۴، کوئٹہ، قلات پبلشرز، ص ۳۷
7. یعقوب شاہ غرشین، آخری آنسو، ۲۰۰۳، کوئٹہ، قلات پبلشرز، ص ۱۲۴
8. انٹرویو، محمد اسلم اچکزئی، بمقام اچکزئی مینہ، بروز جمعہ، ۷ جولائی ۲۰۲۳، بوقت شام ۴ بجے

9. طاہر محمد خان، زود پشیمان، ۴۰۰۲، کوئٹہ، قلات پبلشرز، ص ۴۰۱
10. انٹرویو، حاجرہ اچکزئی، بمقام اچکزئی مینہ بروز جمعہ، ۷ جولائی ۳۲۰۲، بوقت شام ۴ بجے
11. طاہر محمد خان، زود پشیمان، ۴۰۰۲، کوئٹہ، قلات پبلشرز، ص ۱۱۱
12. اسرار احمد شاکر، آدھی ادھوری کہانیاں، کوئٹہ، مہر درانسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، ص ۶۵
13. آغا گل، دوستیں وڈھ، ۲۱۰۲، لاہور، پرائم ٹائم پبلی کیشنز، ص ۵۳۱
14. زیب لونی، جلتے خواب، ۶۱۰۲، کوئٹہ، العارف پرنٹنگ پریس، ص ۶۱
15. عابدہ رحمان، جو کہا افسانہ تھا، ۰۲۰۲، کوئٹہ، مہر درانسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، ص ۳۲
16. فرزانہ خدرزئی، زندگی کا ہالہ، ۷۱۰۲، لاہور، بکن بکس، ص ۰۵
17. فرزانہ خدرزئی، زندگی کا ہالہ، ۷۱۰۲، لاہور، بکن بکس، ص ۲۶
18. اسرار احمد شاکر، آدھی ادھوری کہانیاں، ۰۲۰۲، کوئٹہ، مہر درانسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، ص ۹۲
19. طاہر محمد خان، زود پشیمان، ۴۰۰۲، کوئٹہ، قلات پبلشرز، ص ۳۱۱
20. طاہر محمد خان، زود پشیمان، ۴۰۰۲، کوئٹہ، قلات پبلشرز، ص ۷۳
فرزانہ خدرزئی، زندگی کا ہالہ، ۷۱۰۲، لاہور، بکن بکس، ص ۱۰۱